وقائع بابر: چند صراحتیں

حسن بیگ

سال گزشتہ جب میں اسکاٹ لینڈ سے پاکستان گیا ہوا تھا تو علم ہوا کہ جناب ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی صاحب نے وقائع بابر[1] پر تبصرہ سہ ماہی پیغام آشنا[2] میں شائع کیا تھا۔ افسوس کے مرحوم نے جو نکات اٹھائے تھے اُن پر میری اور مترجم وقائع بابر جناب یونس جعفری مرحوم، جن کا قیام دہلی میں تھا، کی نظر شیرانی صاحب کی زندگی میں نہ پڑی۔ بطور حاشیہ نویس وقائع بابر مجھ پر واجب ہے کہ شیرانی صاحب کے اٹھائے گئے علمی نکات پر اپنی گزارشات اور نقطہ نظر علمی اصحاب کے سامنے پیش کروں۔

فاضل تبصرہ نگار نے اپنے مضمون کا عنوان توزک بابری کی تازہ اشاعت قرار دیا ہے۔ لفظ توزک فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ توزک کے معنی آئین نامہ اور نظام نامہ کے ہیں[3]۔ پروفیسر یونس جعفری صاحب جنھوں نے بابر نامہ کا ترجمہ میری درخواست پر فارسی سے اردو میں کیا، دہلی یونی ورسٹی کے شعبہ فارسی سے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر ریٹائر ہوئے تھے۔ انھی نے تزک تیموری کا ترجمہ بھی کیا اور لفظ تزک بغیر 'و' کے لکھا ہے[4]۔ اگر بابر نامہ اور تزک کا مقابلہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ تزک تیموری زیادہ تر ہدایت نامہ ہے۔ اُس میں سوانح کی تفصیل نہیں، دربار، عوام، امرا اور افواج کی ترتیب، فتح و جنگ کے طریقوں کی تفصیلات ہیں۔ اِس کے مقابلے میں بابر نامہ میں سوانح، حالات خاندان، جنگوں کی تفصیلات، تبصرے اور قدرتی مناظر تک کو بیان کیا گیا ہے۔ بابر نامہ کو 'توزک' کا عنوان دینا درست نہیں۔ اِس کے علاوہ بابر خود جگہ جگہ 'واقعات'[5] کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اسی لیے جب خان خاناں عبدالرحیم نے بابر نامہ کا ترجمہ ترکی سے فارسی میں کیا تو اُس کو واقعات بابری کہا[6]۔ اسی وجہ سے اِس نئے اردو ترجمے کا نام بھی وقائع بابر رکھا گیا۔ اسی طرح ازبکستان سے جو جدید اشاعتیں ہوئی ہیں وہ بھی وقائع بابر کے نام سے شائع ہوئی ہیں[7]۔ ایک ترکی زبان میں اشاعت ۱۹۹۵ء جاپان سے ہوئی وہ بھی وقایع بابر کے ہی نام سے شائع ہوئی ہے[8]۔

اردو کمپوزنگ کا طریقہ ان پیج، ایک ناقص اور غیر ترقی یافتہ طریقہ ہے۔ اِس میں املا کو درست کرنے کا نظام نہیں، اگر درستگی دستی طریقے سے کی جائے تو آگے کے الفاظ جڑ جاتے ہیں، یا ٹوٹ جاتے ہیں۔ سطر کا آخری لفظ آدھا

* رکن، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، مقیم، ایڈنبرا، برطانیہ

اوپری سطر میں اور آدھا نیچے کی سطر میں ہو جاتا ہے۔ کمپوزنگ کرنے والے بھی عام طور پر نوجوان، تاریخ سے نا واقف اور علوم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اردو کے اشاعتی گھروں میں حرف خوانی کا کوئی نظام نہیں، اُس کو غیر ضروری خیال کرتے ہوئے، اُس سے بچت کا سوچا جاتا ہے۔ انگریزی اشاعت گھروں میں ہر اشاعت سے پہلے متن کی تین بار حرف خوانی ضرور ہوتی ہے اور یہ مصنف کی اپنی تحریر کے علاوہ ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مشکلات اردو مراکز سے دور رہنے والوں کے لیے دُگنا، سہ گنا ہو جاتی ہیں، اس لیے عام طور پر اردو کتب غلطیوں سے پُر ہوتی ہیں، جو تحقیقی کتب میں سم قاتل ہیں۔ فاضل تبصرہ نگار کے اپنے مضمون کے سولہ صفحات میں بھی املا کی غلطیاں ہیں، مثلاً ص ۱۷[9] پر لفظ 'قرآن' اصل میں 'قران' ہے جو دو مبارک چیزوں کے اجتماع کو کہتے ہیں، اس کے علاوہ 'فتح بابر بہادر سے ۹۰۶ کے بجائے ۹۰۵ بر آمد ہوتا ہے اس پر 'و' کا اضافہ '[10]۔

اشعار کا ترجمہ اور تشریح، مترجم اور شارح کی عقل، فہم اور تجربے کی مرہون منت ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک شارح کی تشریح سے دوسرا شارح بھی متفق ہو۔ یعقوب حسن بیگ کے شعر:

باز آی ای ہما کہ بی طوطی خطت
نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان من

اے ہما واپس آ، کیوں کہ تیری اِس طوطی کے بغیر، جس کے گردن کے گرد حلقہ ہے، قریب ہے کہ کوا میری ہڈیاں اڑا کر لے جائے"[11] کو دیکھیں کہ مختلف مترجموں نے مندرجہ بالا شعر کا کیا ترجمہ کیا ہے۔ رشید اختر ندوی نے تو متن کتاب میں شعر ہی درج نہیں کیا، نصیر الدین حیدر، جن کو مبصر 'موزوں طبع'[12] کہتے ہیں نے فارسی شعر کا اردو ترجمہ ہی درج نہیں کیا۔ اردو ترجمہ کی کتاب میں فارسی اشعار بغیر ترجمہ درج کرنا سوائے قاری کو اردو سے متنفر کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔ یہ مسجّع اور مقفّی فارسی ادب کی روایات کی باقیات ہیں جن کی جدید اردو میں جگہ کم سے کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

انگریزی تراجم میں ارسکن[13] کہتا ہے:

Return again, O Huma, for without the parrot down thy cheek
The crow will assuredly soon carry off my bones

مترجم بیورج[14] کہتی ہیں کہ اس شعر کا مطلب کسی ہما نامی شخص سے مراعات حاصل کرنا ہے۔

'The couplet appears to be addressed to some man, under the name Huma from whom Hasan of Yaqub hoped for benefit'

ایک اور مترجم ٹھیکسٹن[15] نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

'Come back, O phoenix, for without the parrot of your down the raven is about to carry away my bones'

اس کے مقابلے میں مبصر کے یہ الفاظ ملتے ہیں 'یہاں ہما استعارہ ہے محبوب کا اور طوطی خطت کے معنی وہ طوطی نہیں جس کی گردن میں حلقہ پڑا ہوا ہے، بلکہ یہ پھر استعارہ ہے محبوب کے سبزہ خط سے؟'[16]

مختلف ترجمے اور تشریحات ہیں، مختلف مولف ہیں، جمہوریت کا زمانہ ہے۔

وقائع کے صفحہ ۱۹۲ پر ایک قطعے کا یہ ترجمہ درج ہے:

نہ تھا ایسا عہد و پیماں بہ یار آخر

جدا ہو کر کرگیا بے قرار آخر

خلاف قسمت ہتھیار کیا اٹھاؤں

یار کو کردیا جدا باجوڑ بہ یار آخر

مبصر نے لفظ باجوڑ جس کو بابر نے اپنے تلفظ میں 'بجور' لکھا ہے، ذو معنی کہا اور اس کو 'ظلم کرتے ہوئے'[17] بتایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ باجوڑ کو فتح کرنے کے بعد بابر نے خود ہی اپنے دوست خواجہ کلاں کو باجوڑ کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، ظلم کہاں ہوا؟ وقائع میں ص ۲۶۷ پر قطعہ:

نہ جھگڑ ترک سے اے میر بیانہ

چالاکی و مردانگی ترک ہے عیاں

تو گر نہ آیا اور نصیحت نہ سنی

جو ہوگا اس کی نہیں ضرورت بیاں

حسب معمول رشید اختر ندوی کے ہاں فارسی شعر غائب ہے۔ نصیر الدین حیدر نے فارسی شعر کا اردو ترجمہ درج نہیں کیا۔ مبصر (ص ٦٨) نے لفظ 'چالاک' کے اردو میں معنی 'مکر و فریب' کہا ہے، لیکن فرہنگ آصفیہ میں اس کے معنی 'ہوشیار، ذہین، زیرک و تیز'[18] درج ہیں، اور اسی لفظ کے معنی فارسی حسن اللغات میں 'چستی اور تیزی'[19] درج ہیں۔

ظہیر الدین کا تعلق آج کے ملک ازبکستان کے صوبے فرغنہ سے تھا۔ مبصر نے فرغنہ کے مقابلے میں 'فرغانہ' کو ترجیح دی ہے اور تفصیل فراہم کرتے ہوئے زور 'انہ' کے متعلق درج کیا ہے کہ یہ بطور 'لاحقہ' استعمال ہوتا ہے[20]۔ یہ تفاصیل فرغنہ پر اس لیے لاگو نہیں ہوتیں کہ ترکی زبان کا یہ لفظ فرغنہ اسم معرفہ ہے۔ ایک علاقے کا نام۔ میں نے وقائع بابر کا تعارف کراتے ہوئے سخن ہائے گفتنی میں لکھا تھا، جو شاید مبصر کی نظر سے نہیں گزرا،

اردو کے قاری کی روانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو سکا نام اور جگہوں، دونوں کے لیے رائج املا استعمال کیا گیا ہے، جیسے مرزا یا فرغنہ، بعض الفاظ کا املا اگر معیاری نہ ہو لیکن پیش نظر روانی اور آسانی تھی[۲۱]۔ ویسے بھی مشرقی زبانوں میں املا کے اصول مستند نہیں۔ انصار الدین ابراہیم تاشقندی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں بابر کے ہندی الفاظ میں درج کیا ہے کہ ترکی میں ایک نام مختلف املا سے لکھا جاتا ہے، جیسے الغ بیگ کو الوغ، اولغ، اولوغ اور اولق بیگ[۲۲]۔ اردو میں بھی یہی مشکل ہے، جیسے امریکہ / امریکا، مسالہ / مصالحہ، لئے / لیے، دیئے / دیے، وغیرہ۔ مبصر نے لفظ فرغ کے چار مختلف معنی فارسی لغت اسٹائین گاس[۲۳] سے لیے ہیں، لیکن ترکی زبان کی لغات میں یہ معنی درج نہیں، اس کے معنی، کھلی جگہ یا خالی جگہ کے دیے ہوئے ہیں عام بول چال میں بھی فرغانہ زبان پر نہیں چڑھتا، فرغنہ آسان ہے اور دوہرانے میں رواں بھی۔

وقائع (ص ۲۳۸، حاشیہ ۶۰) گوالیار کے پاس قلعہ نارور کی جگہ نار وار لکھا جانے کی وجہ یہ ہے کہ گوالیار کے جو ماخذ آج کل ملتے ہیں وہ زیادہ تر انگریزی زبان میں ہیں[۲۴]، جن میں املا کی درستگی یا تحویل حرفی (transliteration) کا اہتمام نہیں کیا گیا[۲۵]۔

بابر کی ہند میں دوسری بڑی جنگ رانا سانگا کے جس مقام پر ہوئی اُس کا وقائع بابر میں نام (ص ۲۸۶) خانواہ لکھا گیا ہے، تھیکسٹن نے بھی خانواہ ہی لکھا ہے[۲۶]۔ لیکن مبصر کا خیال ہے کہ یہ جگہ کانھواہ ہے۔ اپنے اس دعوے میں انھوں نے کوئی ماخذ نہیں دیا، خانواہ فتح پور سیکری سے جو چھوٹا روڈ بیانہ جاتا ہے اُس پر تقریباً بیس کلو میٹر دوری پر قصبہ خانواہ موجود ہے[۲۷]۔

بابر کی عمر پانچ سال تھی جب وہ اپنے چچا کے پاس سمرقند آیا تھا، چچا سلطان احمد مرزا نے خان زادہ بیگم سے شادی رچائی تھی، ترکی رواج کے مطابق اُن کا گھونگٹ پڑا ہوا تھا، چچا نے بھتیجے سے گھونگھٹ اٹھوایا، اس پر وقائع میں حاشیہ ہے کہ یہ رواج ہندوستان میں نہیں[۲۸]، مبصر کو رونمائی اور منھ دکھائی کو ایک ہی رسم سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی۔ رونمائی کی ترکی رسم میں گھونگھٹ اٹھنے کے بعد دلہن گھر کا ایک فرد بن جاتی ہے، کام کاج میں ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس میں نقدی کا کوئی ذکر نہیں۔ منھ دکھائی کی ہندی رسم میں رشتہ کی عورتیں، پڑوسنیں جمع ہوتیں، گھونگھٹ اٹھا کر شکل دیکھتیں اور اپنی حیثیت کے مطابق نقدی یا تحفہ دیتی ہیں۔ یہ مختلف رسمیں ہیں۔ اسی لیے سید احمد دہلوی نے رونمائی کو بیان نہیں کیا، اُن کے مطابق منھ دکھائی کلّی طور پر ہندی رسم ہے[۲۹]، اس کا وسط ایشیا یا خراساں سے تعلق نہیں۔

وقائع بابر کے صفحے ۳۹ پر درج ذیل مصرع امیر تیمور کے خطاب قران پر میر تقی میر سے لیا ہے:

شرمندہ ہوئے ہیں طالع خورشید و ماہ دونوں

مبصر نے اصلاح کی ہے، یہ مصرع فرہنگ آصفیہ سے نقل کیا ہے وہاں بھی غلط درج ہے، صحیح مصرع اس طرح ہے:

شرمندہ ہوتے ہیں گے خورشید وماہ دونوں

بابر نے ۹۰۶ھ کی فتح سمرقند کا مادہ تاریخ 'فتح بابر بہادر' دیا ہے، جس کے ۹۰۵ عدد بنتے ہیں، اسی طرح ۹۱۰ھ میں تعمیر ہونے والی نہر اور پشتے کی تاریخ بابر نے 'جوی خوش' کے الفاظ سے نکالی، جس کے ۹۲۵ عدد ہوتے ہیں۔ کسی بھی شارح نے اس اختلافات کی تشریح بیان نہیں کی کہ اعداد کے فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے، بابر یہ واقعات فتح ہندوستان کے بعد ۹۳۳ھ میں تحریر کر رہا ہے، اس لیے بھول چوک کا امکان ہے۔

بابر نے وقائع میں کئی جگہوں پر پن چکیوں کا ذکر کیا ہے، جس پر وقائع کے حاشیے (ص ۲۹۴، ح ۲۶) میں ذکر ہے کہ اور کاموں کے علاوہ پن چکیوں سے پانی بھی نکالا جاسکتا ہے جس پر مبصر نے اعتراض کیا ہے، پن چکیوں کا صنعتی استعمال اسلامی دنیا میں ساتویں صدی ہجری سے ملتا ہے، نویں صدی میں تو اِن کا استعمال عام تھا، مسلمان اور عیسائی انجینئر اور مختلف آلات کے علاوہ پانی نکالنے والی مشینوں کا عام استعمال کرتے تھے [۳۰]۔ ڈونلڈ ہل کی کتاب میں بھی پانی نکالنے والی ساقی کا ذکر ملتا ہے [۳۱]، پن چکیوں کے چکر سے متعلق بریٹانیکا میں درج ہے کہ پانی نکالنے کے لیے عمودی چکر بہت کامیاب ہے [۳۲]۔ کچھ قرون وسطیٰ کی اسلامی پن چکیاں پانی تیس میٹر تک اوپر لے جاسکتی تھیں۔ محمد بن ذکریا رازی نے کتاب الحوی میں دسویں صدی عراق میں ایک مشین کا ذکر کیا ہے جو ۱۵۳۰۰۰ لیٹر پانی فی گھنٹہ نکال سکتی تھی [۳۳]۔ بابر نے خود بھی کابل سے متعلق حکم دیتے ہوئے، خواجہ کلاں کو لکھا کہ خیاباں میں پانی کی مقدار کم ہے، اِس کے لیے ایک پن چکی اُس طرف منتقل کر کے اُس کا رخ اِس جانب کیا جائے [۳۴]۔ مارک سائکس (جس کا ترکی عثمانی حکومت کے زوال اور مشرقی وسطیٰ کی تقسیم میں بڑا حصہ ہے)، نے ۱۹۱۸ میں اپنے دورہ شام میں ذکر کیا ہے کہ: '۲۴ نومبر کو ہم حلب سے روانہ ہوئے اور پہلی رات حمص میں آسٹریلیا کے ریگستانی فوجی دستوں کے ساتھ گزار کر دوسرے دن حماہ پہنچے، جو بے شمار نوریہ پن چکیوں کے لیے مشہور ہے، جو دریائے عاصی سے چلتی ہیں اور کھیتوں کو پانی دینے میں استعمال ہوتی ہیں' [۳۵]۔

پن چکی کے ہی ضمن میں وقائع میں شاد کا ایک شعر:

ہماری چشم گریاں سے مقابل
جو پن چکی ہوئی پانی بھرا کی

کا حوالہ دیا گیا ہے، جو مبصر کے مطابق درست حوالہ نہیں۔ شاد کا یہ شعر مہذب اللغات [۳۶] نے پن چکی کے ذیل میں ہی دیا ہے 'یعنی ہماری آنکھوں سے روانی اس قدر ہے کہ اس سے پن چکی پانی بھر سکتی ہے'، مشرقی ادب میں اپنے نقطہ نظر کی تائید اور اپنے متن کو زود اثر بنانے کے لیے اشعار کا استعمال عام ہے۔

بابر نے ۹۱۱ھ کے واقعات میں سلطان حسین مرزا والی ہرات کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے ایک صاحب زادے کیچک مرزا کے کلام میں سے ایک رباعی لکھی اور پھر کہا کہ مولانا جامی اور کیچک مرزا کی رباعی میں توارد ہوا ہے [۳۷]، یہ اس وجہ سے کہ مولانا جامی کے الفاظ شکیب، صبر می اور ہجر کی جگہ کیچک مرزا نے، بصلاح، زھدمی اور عشق کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان تین الفاظ کے علاوہ دونوں رباعیوں کے باقی الفاظ ایک ہی ہیں۔ جن پر شرح دیتے ہوئے بیورج نے کہا کہ سرقہ ہے [۳۸]۔ ٹھیکسٹن نے کہا سرقہ ہو سکتا ہے [۳۹]۔ یہ سرقہ نہیں کہا جا سکتا، کہ سرقے کا اصول ہے کہ جب تک باوثوق ذرائع سے یہ علم نہ ہو کہ سرقہ کیا گیا ہے، اُس وقت تک کسی شعر پر سرقے کا اطلاق نہیں ہوتا [۴۰]، اور 'اگر ثابت ہو جائے کہ دوسرے شاعر کو پہلے شاعر کے کلام سے آگاہی تھی تو یہ سرقہ کہلائے گا [۴۱]'۔ اگر دوسرے شاعر کو پہلے شاعر کے کلام کا علم ہی نہیں تو یہ توارد ہے۔ فاضل تبصرہ نگار کا یہ کہنا کہ توارد ایک مصرعے یا ایک شعر تک محدود ہوتا ہے، درست نہیں، کیوں کہ بابر خود کہہ رہا ہے کہ توارد رباعی میں ہے۔ سرقے اور توارد کو مسترد کرتے ہوئے تبصرہ نگار نے دو ممکن صورتیں بتائی ہیں۔ پہلی غلط فہمی، وہ یوں کہ کیچک مرزا نے بابر کے سامنے مولانا جامی کی رباعی پڑھی ہو اور بابر نے اسے مرزا موصوف کا کلام سمجھا ہو، دوسری اصلاح، یعنی مرزا کیچک نے مولانا جامی کی رباعی میں تین متذکرہ بالا الفاظ کی بہ خیال خویش بہتر الفاظ سے بدل دیا ہو، اور اس میں شک نہیں کہ مولانا جامی کے استعمال کردہ تین الفاظ کے مقابلے میں تبدیل شدہ الفاظ سے رباعی کا مضمون بہتر ہو جاتا ہے'۔ یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں۔ بابر نے یہ نہیں لکھا کہ کیچک مرزا نے یہ رباعی اُس کے سامنے پڑھی، بابر کا یہ اُس کے کلام سے انتخاب ہے۔ دوسری صورت کہ کیچک مرزا جیسا معمولی شاعر مولانا جامی جیسے استاد شاعر کے کلام میں بہتری پیدا کر سکتا ہے۔ اسے صرف خوش خیالی ہی کہا جا سکتا ہے۔

تحقیق میں حرف آخر نہیں ہوتا۔ نئے نئے ماخذ سامنے آتے رہتے ہیں جن کی مدد سے نئے میدان سامنے آتے رہتے ہیں۔ بابر نے واقعات ۹۲۵ھ میں ہاتھی گکھڑ پر فتح کے بعد کابل واپسی پر دریائے سون کو پار کر کے ایک پشتے پر قیام کیا، وہاں پر سنبل نامی درخت کا ذکر کیا ہے (ص ۲۰۳، ح ۳۸)۔ اِس کے پھول سرخی مائل ہوتے ہیں جو جنوری سے مارچ تک کھلتے ہیں، جس کی وجہ سے پورا منظر سرخی مائل ہو جاتا ہے۔ قدرتی مناظر کے پرستار ہونے کی وجہ سے اُس نے سنبل کی خوب صورتی سے لطف اٹھایا۔ بابر کے اردو حاشیہ نویسوں نے سنبل پر کوئی حاشیہ نہیں دیا۔ انگریز مولفوں، ارسکن، بیورج اور ٹھیکسٹن تینوں نے اِس کو Spikenard کہا، اسپائیک نارڈ ایک درخت نہیں، صرف ایک جھاڑی

ہے [۴۲]، جس کو سنبل ہندی اور سنبل خطائی بھی کہا جاتا ہے، لیکن یہ بابر کا سنبل درخت نہیں ہو سکتا۔ سنبل نام سے ملتا جلتا ایک درخت سیمل بھی ہے [۴۳]، اور ہند میں دونوں کو ایک دوسرے سے گڈ مڈ کیا جاتا ہے۔ سیمل ایک بڑا درخت ہوتا ہے، جس کا انگریزی نام (Cotton Silk Tree) (Bombax ceiba) جس کا مشاہدہ بابر نے کیا۔ اس نام کی الجھن کی وجہ سے سنبل ہندی کا اشاریہ وقائع میں آیا ہے [۴۴]۔ مبصر نے بھی یہ ہی بتانے کی کوشش کی ہے، لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔

بابر نے واقعات (ص۲۰۹) میں اپنی بیماری کے دوران شراب مرکب پینے کا ذکر کیا ہے اور شراب مرکب کے لیے شراب ممزوج کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مبصر نے اس پر یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ افیون آمیز شراب ہے، لیکن طبی لغت [۴۵] اور فارسی لغت [۴۶] دونوں میں اس کو پانی ملی ہوئی شراب کہا گیا ہے۔ بیماری کے دوران ہلکی شراب ہی درست قدم ہے۔

بابر کی معجون کی ایک محفل کا اردو ترجمہ (وقائع ۲۱۴) کرتے ہوئے یونس جعفری صاحب نے لکھا:

> عید کے دن بروز پیر صبح کے وقت ہم نے کوچ کیا، راستے میں خمار شکنی کے لیے معجون کا سہارا لیا گیا، جس وقت اِس کی چسکیاں لی جا رہی تھیں تو کسی شخص نے اندر سے اُس کا پھل لا کر دکھایا۔

شیرانی صاحب نے اندر کوسے کو ملا کر اُس کو 'اندرسے' پڑھا [۴۷]، جو درست نہیں۔ کتب حکمت میں یہ تحقیق طلب ہے کہ معجون کے اجزا کیا ہوتے تھے، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ افیون اُس کا ایک جز ہوتی تھی۔ افیون کا پھل جو اندر سے لایا گیا وہ افیون کا پوست ہی ہو سکتا ہے، جو کڑوا بھی ہوتا ہے، اسی لیے افیون کا پوست کھا کر ہی درویش محمد کے منھ کی کڑواہٹ رات بھر رہی۔

شیرانی صاحب نے [۴۸] شب عرفہ کے متعلق فرمایا کہ 'ترک اور ایرانی معاشروں میں عرفہ کے معنی میں توسیع کر کے عید الفطر سے پہلے والا دن بھی عرفہ کہا جانے لگا تھا'۔ عرفہ فارسی حسن اللغات [۴۹] اور فرہنگ فارسی دکتر محمد معین [۵۰] اور ترکی لغت ریڈ ہاؤس میں ۹ ذوالحجہ کو ہی کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے شب عرفہ ۸ ذوالحجہ ہی ہوئی۔ اسی سلسلے میں میں نے لیلہ عبدی خجستہ جو تہران میں Manuscripts.ir اردو/ فارسی کی مترجم ہیں اور جنھوں نے میری کتاب مآثر رحیمی کا تعارف کروایا ہے، سے رابطہ کیا، لکھتی ہیں 'یوم عرفہ نو ذوالحجہ کو کہتے ہیں، اِن ناموں میں توسیع کی بات نہیں، عید الفطر 'عید الفطر' ہی ہے، یوم عرفہ ہی 'یوم عرفہ' ہے اور محرم ہی 'محرم' ہے [۵۱]۔

وقائع (ص۲۴۵) میں گینڈے کے سینگ سے آب خورہ اور نرد کھیلنے کی گوٹ بنانے کا ذکر ہے، جس کے حوالے میں فرہنگ آصفیہ [۵۲] کا ایک مصرع: 'قول و قرار کی جو نرد تھی کچی رہی' کو مبصر نے وزن سے ساقط قرار دیا ہے اور درست: 'قول و قرار کی جو نرد تھی کچی ہی رہی' سے کیا ہے، لیکن اس درست مصرعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

کلہ مچھلی (وقائع ۲۵۳) کو بابر نے ہندوستان کے آبی جانوروں میں بیان کیا ہے۔ مختلف حاشیہ نویسوں نے مختلف نام لکھے ہیں۔ ترکی اشاعت میں کلہ ہے [۵۳]، مرزا محمد شیرازی نے فارسی واقعات میں ایک جملے میں پہلے کلہ ماہی اور دوسرے میں کلکہ لکھا ہے [۵۴]۔ ارسکن نے Keke [۵۵] (، لیکن کوئی حاشیہ نہیں دیا، بیورج کلہ (گلہ) کہتی ہیں، لیکن حاشیہ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتیں کہ یہ مچھلی ہے یا کیکڑا [۵۶] ٹھیکسٹن نے (Kaka) کہا [۵۷]، لیکن کوئی حاشیہ نہیں دیا۔ گوگل پر کچھ معلومات مختلف مچھلیوں کے متعلق موجود ہیں لیکن کوئی تحقیقی مقالہ ان ہندی مچھلیوں سے متعلق دستیاب نہیں۔ شیرانی صاحب اِس کو کھگہ مچھلی کہتے ہیں، لیکن کوئی ماخذ فراہم نہیں کرتے۔ بابر کے مطابق اس مچھلی کی خصوصیت کان کے پاس تین انگل کی ہڈیاں ہوتی ہیں جن کو حرکت میں لا کر یہ عجیب قسم کی آواز نکالتی ہے، جس پر اُس کا نام کلہ پڑا [۵۸]۔ اس خصوصیت کا بھی شیرانی صاحب نے کوئی ذکر نہیں کیا۔

بابر نے بیان کیا ہے کہ ۹۳۵ھ (۱۵۲۸-۲۹ء) میں اُس کے جسم پر پھوڑے نکل آئے تھے جس کا علاج، ''مٹی کی ہانڈی میں پانی کو مرچوں کے ساتھ ابالا اور اُس کی میرے پھوڑوں کو بھاپ دی''۔ بھاپ سے علاج بہت پرانا طریقہ علاج ہے۔ اس میں طبی اصول سے اصل جز بخارات کی گرمی ہے جو پیپ کو اوپر کھینچتی ہے، اگر اُس میں کالی مرچیں ڈالی گئی ہیں تو اُن کا کام مہک فراہم کرنا ہے، اصل جز بخارات کی گرمی ہے، چناں چہ ترکی خلیفہ سلیم اول کے بھی ۱۵۲۰ء میں کمر پر پھوڑے نکل آئے تھے، جس کا علاج گرم بھاپ سے کیا گیا [۵۹]۔

بابر کے نام کے تلفظ، بَابَر، بَابُر یا بَابُر کے تذکرے میں فاضل مبصر نے لکھا ہے کہ بابر کی ادائی میں کوئی بھی حنکی حرف نہیں۔ لفظ بابر پر انھوں نے کوئی زیر زبر یا پیش نہیں ڈالا۔ وسط ایشیا میں لفظ بابر کو 'بُوبِر' کہا جاتا ہے، اس لیے اس ضمیمے میں (وقائع، ص۳۴۴) یہ درج ہے کہ 'بابَر کہنے میں آسان اور دوہرانے میں رواں'۔ اگر بوبر کہا جائے تو تالو کو حرکت میں لانا پڑتا ہے۔

بابر نامہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، روسی، جرمن، عربی اور فارسی زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں، انگریزی میں تو تین تراجم اور اُن کی کئی اشاعتیں موجود ہیں، اور ابھی ایک نئی اشاعت ولیم ڈالرمپل کے تعارف سے شائع ہوئی ہے [۶۰]، لیکن افسوس کہ اردو تراجم کی باری بہت بعد میں آئی۔ اردو میں جو بھی اشاعتیں ہوئیں وہ غیر پیشہ ور مرتبین نے کیں۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے رشید حسن خاں کا حوالہ دیتے ہوئے

کہا کہ اگر علمی معاملات کے اختلافات کی نشان دہی نہ کی جائے تو 'اس کا مطلب یہ ہو گا کہ سب لوگوں نے یا تو پڑھنا چھوڑ دیا ہے یا غور کرنا چھوڑ دیا ہے'[۶۱]۔بابر نامہ کو بھلانے سے زیادہ اور اِس کی کیا مثال دی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، وقائع بابر، ۲۰۰۷، شہر بانو پبلشرز، کریکاڈی

۲۔ محمود شیرانی، توزک بابری کی تازہ اشاعت، مشمولہ: 'پیغام آشنا'، اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۰۸، اسلام آباد، ص ۶۴۔ ۸۰

۳۔ ابراہیم اولغون، جمشید درخشاں، فرہنگ ترکی بہ پارسی، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران، ۱۳۵۰، ص ۴۶۹

۴۔ جعفری، یونس، تزک تیموری، مشمولہ: رسالہ 'جامعہ'، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱، ج ۹۸، ش ۷ تا ۹، ص ۱۸۵ تا ۲۹۳

۵۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، ص ۳۲۴

۶۔ عبد الباقی نہاوندی، حسن بیگ، مآثر رحیمی، دار المصنفین، اعظم گڑھ، ۲۰۱۷، ص ۱۰۹

۷۔ وقائع بابر، تاشقند، ۲۰۰۸ء

۸۔ آئی جی مانو، وقایع بابر، کیوٹو، ۱۹۹۵ء

۹۔ محمود شیرانی، ص ۷۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۷۲

۱۱۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، وقائع بابر، ص ۱۱

۱۲۔ محمود شیرانی، ص ۶۷

۱۳۔ ایرکسن، ولیم (William Erskon)، Memoirs of Baber، لونگ مین، لندن، ۱۸۲۶ء، ص ۱۵

۱۴۔ بیورتج، اینٹ (Annette Beveridge)، Baburnama سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۲۶

۱۵۔ وہیلر، تھیکسن (Thackston Wheeler)، Baburnama فریر گیلری، واشنگٹن، ۱۹۹۶ء، ص ۴۸

۱۶۔ محمود شیرانی، توزک بابری کی تازہ اشاعت، ص ۶۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۸

۱۸۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، جلد ۲، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۷، ص ۹۳

۱۹۔ حسن اللغات، اورینٹل بک سوسائٹی، لاہور، سال اشاعت ندارد، ص ۲۸۳

۲۰۔ محمود شیرانی، توزک بابری کی تازہ اشاعت، ص ۶۹

۲۱۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، وقائع بابر، ص ز

۲۲۔ انصار الدین، بابر کے ہندوستانی الفاظ، پی ایچ ڈی مقالہ۔ ترکی، تاشقند، ۲۰۰۲، ص ۳۱

۲۳۔ اسٹائین گاس، پرشین انگلش ڈکشنری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۷، ص ۹۲۰؛ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے:
الف Turkish & English Lexicon, James Redhouse, Library Du Libon, 1996, p. 1377

۲۴۔ قریشی، نعیم، گوالیار کے آس پاس (انگریزی)، ۲۰۰۴، ولکم پرنٹرز، گوالیار

۲۵۔ موہن کمار ماتھر، کلیات گوالیاری (انگریزی) ۲۰۰۰، سوریا پرنٹرز، گوالیار

۲۶۔ تھیکسٹن، ص ۳۷۸

۲۷۔ انڈیا روڈ اٹلس، ۲۰۰۶ء منسٹری اوف شپنگ اینڈ روڈ ٹرانس پورٹ، ص ۳۰

۲۸۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، وقائع بابر، ص ۱۷

۲۹۔ دہلوی، سید احمد، رسوم دہلی، ۱۹۸۶، اردو اکادمی، ص ۵۸

۳۰۔ https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%BE%D9%86_%DA%86%DA%A9%DB%8C

۳۱۔ ہل، ڈونلڈ (Donald Hill)، موسیٰ بن شاکر، Ingenious devices، پاکستان ہجرہ کونسل اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۲۰

۳۲۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، جلد ۱۲، ۱۹۸۶ء، شکاگو، ص ۵۲۶
۳۳۔ ہل، ڈونلڈ (Donald Hill)، A History of Engineering in Classical and Medieval Times، روٹلیج، ص ۱۴۶-۱۴۶
۳۴۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، وقائع بابر، ص ۳۲۱
۳۵۔ سائیکس، کرسٹوفر سائمن (Christopher Simon Sykes)، The Man who created the Middle East، ۲۰۱۶ء، ولیم کولنس، لندن، ص ۳۲۰
۳۶۔ لکھنوی، مہذب، مہذب اللغات، جلد ۳، ۱۹۶۲ لکھنؤ، ص ۱۰۶
۳۷۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، وقائع بابر، ص ۱۳۶
۳۸۔ بیورج، ص ۲۶۷
۳۹۔ وہیلر، ٹھیکسن (Thackston Wheeler)، ص ۲۰۶
۴۰۔ حسین، اخلاق، فن شاعری، ۲۰۱۳، انجمن ترقی اردو، دہلی، ص ۱۵۲
۴۱۔ حمید اللہ ہاشمی، فن شعر و شاعری، ۲۰۱۳ء، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص ۱۸۱
۴۲۔ پلیٹس، جون (John Plates)، A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English، ۲۰۰۳ء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۶۸۰
۴۳۔ قریشی، بشیر احمد، Standard Dictionary, Educational، ۱۹۹۳ء، پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص ۳۹۶
۴۴۔ جعفری، یونس، حسن بیگ، وقائع بابر، ص ۲۰۳
۴۵۔ جیلانی، غلام، مخزن الجواہر، سن ندارد، لاہور، ص ۱۸۴۲
۴۶۔ اسٹائین گاس، پرشین انگلش ڈکشنری، ص ۱۳۱۵
۴۷۔ محمود شیرانی، توزک بابری کی تازہ اشاعت، ص ۷۸
۴۸۔ ایضاً، ص ۷۸
۴۹۔ حسن اللغات، ص ۵۹۱
۵۰۔ محمد معین، دکتر، انتشارات امیر کبیر، ۱۳۷۱، تہران، ص ۲۲۹۲
۵۱۔ ریڈہاؤس، جیمس (James Redhouse)، A Turkish Lexicon، ۱۹۹۶ء، بیروت، ص ۱۲۹۵
۵۲۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، جلد ۴، ص ۵۵۴
۵۳۔ ئی جی مانو، وقایع بابر، کیوٹو، ۱۹۹۵ء، ص ۴۵۳
۵۴۔ مرزا محمد شیرازی، بابر نامہ، ۱۳۰۸ء، چتر اپربھا پریس، ص ۱۹۸
۵۵۔ ایرکسن، ولیم (William Erskon)، ص ۱۳۲۳
۵۶۔ بیورتج، اینٹ (Annette Beveridge)، ص ۵۰۲
۵۷۔ وہیلر، ٹھیکسن (Thackston Wheeler)، ص ۳۴۲
۵۸۔ محمود شیرانی، ص ۷۹
۵۹۔ اِلان، میخائل (Mikhai Alan)، God's Shadow, Faber، ۲۰۲۰ء، لندن، ص ۳۵۶
۶۰۔ بابر نامہ، ۲۰۱۷ء، روپا پبلی کیشنز، دہلی
۶۱۔ محمود شیرانی، ص ۸۰

Abstract

In this article, the editor of the text presents stances which remain unclarified and no relevant references quoted in the review of Urdu text of Waqai Babar by a noted scholar Mazhar Mehmood Shirani.

Professor Yonus Jafri, worked the Persian department of Dehli University, rendered the original Persian text into Urdu on the request of the editor. On Urdu title of Waqai Babar, its editor mentions that the original work Babarnama has already been published in Turkey and Persian languages, titled, Waqiat-e Babari. The title adopted in those languages is right as Muhammad Zaheeruddin Babar writes at times word Waqiat in his work. Based on relevant sources, the text editor clarifies that there is a mistake made for writing Babarnama as Tuzak by the reviewer. The article cites number of English works about interpretation of a Persian couplet in which the reviewer has his own interpretation and found the couple a metaphorical way of speaking.

Keywords: Babarnama, Waqa-e Babar, Waqiat-e Babari.